© rasailojaraid.com

عالمِ اسلام میں تجدّد اور مغربیّت کی ایک تجربہ گاہ

مصطفیٰ کمال کی فکری نشوونما اور خصوصیات

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

★

مغربی تہذیب پر سیادت قائم کرنے کی دعوت کے حامل ورہنما (جن کی قیادت ضیاء گوک الپ کر رہا تھا۔) عالمِ اسلام کے آزاد فکر اشخاص اور مصنف مورخین کے حلقہ میں بڑے احترام کے مستحق تھے اور دنیا کے سیاسی، ثقافتی اور اجتماعی نقشہ میں ترکی ایک اہم ترین کردار ادا کر سکتا تھا، اگر وہ مغربی تہذیب پر واقعی اپنی سیادت قائم کر لیتا اور اس پر قابو پانے کے بعد اس کو اعلیٰ انسانی و اسلامی مقاصد کے لئے استعمال کرتا اور اس آزاد خیال قائد کی طرح اس میں ترمیم و تصرّف کرتا جو اپنے ارادہ کا مالک و مختار ہے۔ یا اس مجتہد عالم کی طرح جو اپنی عقلِ خداداد سے سوچتا ہے، وہ مشرق کی ان اسلامی اقوام کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ اور قابلِ صد احترام پیش رَو اور پیشوا بن جاتا جو مشرق و مغرب کی اس زبردست کشمکش کا شکار ہیں اور تہذیب جدید کے کھلے ہوئے چیلنج کا سامنا کر رہی ہیں اور جن کے نزدیک ترکی ہی وہ سب سے پہلا مسلمان ملک ہے جس کو مغرب و مشرق کی کشمکش کے اس معرکۂ خونیں سے گزرنا پڑا اور مغربی تہذیب اور جدید فلسفۂ زندگی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رو در رو سامنا کرنا پڑا۔

لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ جو کچھ ہوا وہ صرف یہ کہ ترکی نے مغربی تمدّن کی نقل "مطابق اصل" شروع کر دی، وہ مغربی تہذیب کے ان کھوکھلے مظاہر اور سطحی اصلاحات میں الجھ کر رہ گیا ہے، جن سے قوموں اور تہذیبوں کی زندگی میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا اور نہ اس کا حقیقی قوت اور سیاسی عظمت سے کوئی اصولی تعلق ہے، اس اقدام نے ترکی کو اپنے ماضی قریب سے اور اس شاندار علمی ترکہ اور ذخیرہ سے بے تعلق اور محروم کر دیا جس کی تعمیر و ترقی میں کثیر التعداد لائق ترکی نسلوں اور دماغوں نے شاندار حصہ لیا تھا، اس نے اس ترکی کو جس کے مضبوط ہاتھوں میں

© rasailojaraid.com

کل تک دنیائے اسلام کی سیاسی قیادت و تولیت تھی اس کے لئے کلیۃً اجنبی اور پردیسی بنا دیا، اور ملک کے سربراہوں اور ان عوام کے درمیان ایک زبردست خلیج حائل کردی جو ایمان و محبت اور دینی جذبہ سے معمور و مخمور تھے، جن کے جذبہ کی قوت و عظمت کے سامنے دنیا کو بارہا عزت و احترام کے ساتھ سر جھکانے پر مجبور ہونا پڑا تھا، اور جنہوں نے (ملک کی داخلی کمزوریوں اور فوجی حکام کی بددیانتی اور خیانت کے باوجود بھی) یورپ کے متواتر حملوں اور مسلسل سازشوں کا مقابلہ کیا تھا، اس غیر دانشمندانہ و مقلدانہ اقدام نے قوم سے اعتماد و سرخوشی اور جوش و گرمجوشی کی وہ دولت بے بہا چھین لی جو اس عظیم مسلم قوم کا امتیاز و خصوصیت رہی ہے، اس نے ترکی معاشرہ میں اضطراب و انتشار، نیم دلی، افسردگی اور مایوسی پیدا کردی۔

جدید معاشرہ کی تشکیل کے لئے، ترکوں کے دینی شعور اور اسلامی جذبہ کو کچلنے کے لئے اور قوم کا رُخ مادیت، قوم پرستی اور مغربی تمدن کی نقالی کی طرف پھیر دینے اور اس کو ایک محدود دائرہ کے اندر محصور کر دینے کے لئے اس سنگ دلی اور تشدد سے کام لیا گیا جس کی نظیر کم ملے گی اس کا شکار زیادہ تر وہ لوگ ہوئے جن سے ملک و قوم کو بے حد فائدہ پہنچ سکتا تھا، ترکی کے حکمرانوں اور بے بس و مجبور عوام کے درمیان عقلیت اور طرز فکر کی یہ کشمکش آج بھی موجود ہے۔ ایمان چنگاری دلوں میں اب بھی پوشیدہ ہے، اور ادنیٰ اشارہ اور معمولی تحریک سے وہ دلوں کے اندر بھڑک اٹھنے کے لئے تیار ہے۔

مغربی تہذیب سے استفادہ کے میدان میں ترکی کا پارٹ خالص تقلیدی پارٹ تھا۔ جو ہر قسم کی تخلیقی قوت، جدتِ فکر، خودکفالتی، بلند خیالی اور حوصلہ مندی سے خالی تھا، اس نے اس تہذیب پر اپنی سیادت (SUPREMACY) قائم کرنے کے لئے جو مادہ پرست مغرب سے آئی تھی اور جس کا خواب ضیا گوک الپ نے اپنے گذشتہ مقالہ میں دیکھا تھا، کوئی ٹھوس اور سنجیدہ کوشش نہیں کی، وہ اس کی قیادت پر قبضہ کرنے اور اس پر قابو حاصل کرنے میں پوری طرح ناکام رہا۔ اس کا پارٹ صرف "درآمد" (IMPORT) کرنے، مستعار لینے یا نقل کرنے کا تھا، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، چنانچہ اس دور میں نہ تو سائنسی علوم میں کوئی ممتاز عالم ترکی میں پیدا ہوا، نہ دوسرے علوم و فنون میں کوئی اہم شخصیت نمودار ہوئی، نہ فکر اور فلسفہ کے شعبہ میں کسی نئے مدرسہ اور مکتبِ خیال کا بانی ترکی کو نصیب ہوا نہ کوئی ایسی شخصیت سامنے آئی جو اس تہذیب میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے جس کی بجائے خود کوئی علمی قیمت اور افادیت ہو، یہی وجہ ہے کہ آج یہ قوم ایک

© rasailojaraid.com

تیسرے درجہ کی قوم حیثیت سے مغربی ممالک کے زیر سایہ پل رہی ہے۔ ترکی کا موجودہ انقلاب اُس سیاسی عظمت، بین الاقوامی وقار دینی حمیت اور گرم جوشی، اخلاقی اقدار و محرکات اور عالم اسلام کی قیادت و رہنمائی کی قیمت کسی طرح نہیں بن سکتا جس کی قربانی ترکی کو دینی پڑی ہے۔

نامق کمال | مغربی تہذیب و علوم سے استفادہ کی زیادہ متوازن دعوت اور ترکی و مغرب جدید کے تعلق کی نوعیت کی بہتر وضاحت ترکی کے ایک پیش رو مفکر نامق کمال[۱] کے خیالات و

---

[۱] نامق کمال ۱۸۴۰ء میں RHOBOSTO میں پیدا ہوا۔ وہ ایک خوش حال اور امیر خاندان کا فرد تھا۔ گھر پر عربی فارسی اور فرنچ کی تعلیم پائی، سترہ سال کی عمر میں حکومت کی ملازمت میں داخل ہوا، وہ نوجوانی میں ترکی کے مشہور مفکر اور محب وطن رہنما ابراہیم شیناسی (۱۸۲۶ء۔ ۱۸۷۱ء) سے متاثر ہوا، اور ان کے مشہور رسالہ "تصویر افکار" کی ادارت میں شامل ہوگیا۔ ۱۸۶۵ء میں جب شیناسی نے فرانس میں پناہ لی تو اس نے اس رسالہ کی ادارت سنبھالی اور ایک سیاسی اخبار نویس اور مقالہ نگار کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ اپنے جرأت مندانہ خیالات اور مضامین کی پاداش میں ۱۸۶۷ء میں اسے بھی ترک وطن کرنا پڑا، اس نے جلاوطنی کے تین سال لندن، پیرس اور ڈی آنا میں بسر کئے، وہاں اس نے جدید قانون اور اقتصادیات کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۷۱ء میں ترکی واپس ہوا اور اپنے شہرۂ آفاق ڈرامہ "وطن" کے نتیجہ میں جس نے آزادی اور حب الوطنی کا عام جوش پیدا کر دیا تھا۔ وہ قبرص جلاوطن کر دیا گیا، ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد واپس ہوا، لیکن پھر جلد حکومت کا معتوب ہوا اور اپنی زندگی کا آخری سال نظر بندی یا جلاوطنی میں گذار کر ۱۸۸۸ء میں وفات پائی۔

برنارڈ لوئیس (BERNARD LEWIS) اپنی کتاب THE EMERGENCE OF MODERN TURKEY میں لکھتا ہے:

> "اپنی پرجوش حب الوطنی اور آزاد خیالی کے باوجود نامق کمال سچا اور پرجوش مسلمان تھا، اس کے مضامین میں جس مادر وطن (ترکی) کا تذکرہ آتا ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد فرقہ کے بجائے علاقہ پر ہے، وہ اس کے تصور میں ایسا ہی خالص اسلامی ہے، جیسے عثمانی سلطنت کا تصور تھا، وہ اپنی پوری زندگی میں شدت کیساتھ مسلمانوں کے روایتی اقدار و عقائد سے وابستہ رہا ہے، اس نے بسا اوقات "تنظیمات" کے رہنماؤں پر بڑی تیز و تند تنقید کی کہ وہ قدیم اسلامی روایات کے تحفظ میں ناکام رہے اور انہوں نے یورپ سے جدید خیالات اور ادارے کو درآمد کیا۔ نامق کمال نے اسلامی اقدار کی علم برداری کی اور جن یورپین مصنفوں نے اسلام کو گھٹا کر پیش

© rasailojaraid.com

مضامین میں ملتی ہے، جنہوں نے مغرب سے ان شعبوں میں استفادہ کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے مغربی اقوام کو ترقی، فارغ البالی اور فوقیت حاصل ہوئی ہے، پروفیسر نیازی برکس" مجموعہ مضامین ضیا گوک الپ" کے فاضلانہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"جس شخص نے جدید صورت حال کی غیر صحتمندی کی تشخیص کی اور اس کو ایک جدید ریاست کے قیام کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تسلیم کیا وہ نامق کمال (۱۸۴۰ء۔ ۱۸۸۸ء) تھے، انہوں نے ان دینی، اخلاقی اور قانونی اداروں کی اصلی یا مثالی شکل پیش کرنے کی کوشش کی جو اسلام سے منسوب کئے جاتے ہیں اور قدیم عثمانی روایات کے عروج کے زمانہ کی سیاسی اداروں کی بھی اصلی اور مثالی شکلیں پیش کیں اور مغربی تہذیب کے ان پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا جن کی وجہ سے مغربی اقوام کو ترقی، فارغ البالی اور فوقیت حاصل ہوئی تھی، ان تینوں عناصر پر بحث کرکے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان میں کوئی بنیادی اختلافات نہ تھے، ان کے نزدیک اسلام معاشرہ کی (اخلاقی اور قانونی بنیادیں فراہم کرتا ہے، ریاستی امور میں عثمانی روایت اور اس کی متعدد قومیتوں اور متعدد مذاہب کے درمیان رواداری کی آفاقی پالیسی کو عثمانی روایت (ترکی ریاست نہیں) کے سیاسی ڈھانچہ کی بنیاد بنایا جاتا اور مغربی تہذیب کے وہ مادی اور عملی طریقے اور اسلوب سیکھے جاتے جس سے اس نظام کو طاقت اور معاشی ترقی کی ہم عصر دنیا میں استحکام حاصل ہوتا۔

اس طرح نامق کمال نے انیسویں صدی کی ترکی کے تینوں عناصر کو الگ الگ کیا اور ان کے حدود کی نشاندہی کی، ان کے خیال میں تنظیمات کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ان تین عناصر کے بارے میں ذہنی انتشار تھا، مثلاً شریعت یعنی اسلامی قانون کو تو فرانس سے ضابطۂ قانون مستعار لینے کی خاطر ترک کر دیا گیا۔ جبکہ تعلیم، حکومت،

کرنے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ ان کے مقابلہ میں اس کے کارناموں کو نمایاں کیا، حتیٰ کہ عثمانی قیادت میں بین الاقوامی اسلامی اتحاد کا بھی تصور پیش کیا، تاکہ اس تحریک کو ایشیا اور افریقہ میں اپنا کر اور اسکی اشاعت کر کے یورپ کے مقابلہ میں ایک مشرقی طاقتی توازن پیدا کیا جا سکے۔"

صد ۱۳۳ صد ۱۳۰

© rasailojaraid.com

سائنس، معاشیات اور زراعت کے سلسلہ میں مغربی طریقوں اور اسلوبوں کو جاری نہیں کیا گیا۔

ترکی ریاست کو ایک جدید ریاست بنانے کی طفلانہ خواہش میں تنظیمات کے اصلاحات کے بانیوں نے بلاسبب، یورپین طاقتوں کے احسانات، معاشی اور سیاسی معاملات میں قبول کر لئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست عثمانی اپنی آزادی اور سالمیت کھو بیٹھی، انہوں نے انتظامی معاملات میں جدید جمہوری نظاموں کا ایک بھی اصول رائج نہیں کیا جبکہ نہ تو قدیم عثمانی سیاسی ادارے اور نہ اسلامی قانون میں کوئی بات ایسی تھی جو جمہوریت یا ترقی یا جدید سائنس سے ہم آہنگ نہ کی جا سکتی ہو[۱]

لیکن باوجود نامق کمال کی عام مقبولیت اور اس گہرے اثر کے جو اس نے ترکی کی جدید نسل اور خود ضیاء گوک الپ اور ان کے معاصرین پر ڈالا اور جس کا اعتراف خالدہ ادیب خانم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ " نامق کمال ترکی جدید کی محبوب ترین شخصیت تھی، ترکی کے افکار و سیاسیات کی تاریخ میں ان سے زیادہ کسی دوسری شخصیت کی پرستش نہیں کی گئی"[۲] اس کا متوازن فکر اور نسبتاً معتدل دعوت ترکی کی جدید تشکیل میں اتنی موثر ثابت نہیں ہوئی جیسی ضیاء گوک الپ کی مغربی تہذیب اور اصول سیاست کے اختیار کرنے کی پر جوش دعوت، ضیاء کے فلسفہ اور فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ترکی کو ایک نہایت طاقتور اور عملی آدمی مل گیا جس نے اس کے تصور اور منشا سے بھی آگے بڑھ کر ترکی کو مغربیت کے سانچہ میں ڈھالنے کا عزم کر لیا، یہ کمال اتاترک کی شخصیت تھی۔

کمال اتاترک[۳] کی قیادت میں ترکی نے نامذہبیت (سیکولرازم) اپنے ماضی سے انحراف بلکہ بغاوت شدید جذباتی مغربیت اور عسکری آمریت کا جو رخ اختیار کیا، اس کے وجوہ و اسباب،

۱۔ BERKES, NIYAZI, TURKISH NATIONALISM AND WESTERN CIVILIZATION (GOKALP ZIYA) P. 17, 18

۲۔ HALIDE EDIB; TURKEY FACES WEST P. 84

۳۔ مصطفیٰ کمال کے والد کا نام علی رضا تھا جو تاجر تھا، ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء میں سالونیکا میں پیدا ہوئے، ان کا اصل خاندان اناطولیہ کے ایک گاؤں میں آباد تھا۔ پہلے ایک ایسے ابتدائی مدرسہ میں داخل ہوئے جو یورپین طرز پر چلایا جا رہا تھا۔ پھر ایک ہائی سکول میں رہ کر ایک سال تعلیم حاصل کی پھر اس کو چھوڑ کر فوجی کالج میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد استنبول کے فوجی کالج میں داخل ہوئے اور فوجی افسر کی حیثیت سے ملک کے سامنے آئے، یہ سلطان عبدالحمید ثانی کا عہد تھا، ان کے خلاف

© rasailojaraid.com

سمجھنے کے لئے اس تحریک و رجحان کے فکری و سیاسی قائد اور ترکی جدید کے معمارِ اعظم کمال اتاترک کے ذہنی ارتقاء، فکری نشوونما اور اس کی مزاجی کیفیت کے سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ

مصطفیٰ کمال بعض سازشوں میں ماخوذ ہوئے اور گرفتار ہو کر دمشق جلاوطن کر دئے گئے، وہاں سے خفیہ طور پر سالونیکا بھاگ آئے، اور انجمن اتحاد و ترقی میں شامل ہو کر فوج میں بھرتی ہو گئے اور مقدونیہ کی ریلوے لائن کی تعمیر ان کے سپرد ہوئی۔ ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید معزول ہو گئے، ۱۹۱۰ء میں وہ اتاچی بن کر فوجی مشن پر فرانس گئے، اس سفر نے ان کو ترکی کی ترقیات اور انتظامات کی طرف سے غیر مطمئن اور جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثرات کی طرف سے بے چین کر دیا، اس وقت ترکی پر عملاً چار آدمیوں کی حکومت تھی، انورؔ، طلعتؔ، جاوید اور جمالؔ، مصطفیٰ کمال کا ان سے سخت اختلاف تھا، کمالؔ کو بین الاقوامی مقاصد یا ترکی کے باہر عثمانی سلطنت کی توسیع سے کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ اس پالیسی کو ملک کے لئے مہلک اور تباہ کن سمجھتے تھے۔ ادھر انورؔ ان کو ناپسند کرتے تھے، ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان شروع ہوئی، وہ بلقانی شہروں سے مہاجرین اور پناہ گزینوں کے ہجوم، ان کی بے بسی اور ناگفتہ بہ حالت سے سخت متاثر ہوئے بلقان کی ریاستوں میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے ترکوں نے اڈریانوپل پر دوبارہ قبضہ کر لیا، انورؔ وزیر جنگ ہوئے اور وہ اپنی ترقی و اعزاز کے آخری مدارج پر پہنچے، انورؔ کی کوشش تھی کہ تمام مسلمانوں کو خلیفۃ المسلمین کے جھنڈے کے نیچے لے آئیں۔ انورؔ نے جرمنوں کو ترکی کی فوجی تنظیم کا کام سپرد کیا، مصطفیٰ کمال کو یہ بات ناپسند تھی، ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور انورؔ اور ان کے رفقاء کے دباؤ سے ترکی، جرمنی کے ساتھ باقاعدہ جنگ عظیم میں شریک ہو گیا، کمال کی رائے تھی کہ ترکی کو غیر جانبدار رہنا چاہیئے اور جس فریق کی فتح ہو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کمال نے اپنی مرضی کے خلاف اس جنگ میں بہادرانہ حصہ لیا اور ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی کے معرکہ میں زبردست کارنامہ انجام دیا، اور اسی سے ان کی شہرت شروع ہوئی، ۱۹۱۶ء میں وہ قفقاز کے محاذ پر بھیجے گئے، ۱۹۱۷ء کے آغاز میں ان کو حجاز کی کمان سپرد ہوئی۔ لیکن ان کے کمان سنبھالنے سے پہلے حجاز کا تخلیہ ہو چکا تھا، اس سال سے وہ جنرل کے عہدہ پر فائز ہو کر دیار بکر قائم مقام کمانڈر بنا کر بھیجے گئے، ۱۹۱۸ء میں جرمنی اور ترکی کی شکست کے ساتھ یہ جنگ ختم ہوئی، سابق وزراء اور ترکی کے رہنما ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور کمالؔ کے لئے میدان صاف ہو گیا، برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے استنبول پر قبضہ کر لیا، اناطولیہ میں بڑی بدامنی پھیل گئی، اس وقت امن قائم کرنے کے لئے مصطفیٰ کمال کا انتخاب ہوا، انہوں نے یونانیوں کے خلاف جنہوں نے ازمیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ اعلانِ جنگ کر دیا اور ۱۹۱۹ء میں سقاریہ کے معرکہ میں ان کو شکستِ فاش دی اور غازی کا لقب حاصل کیا، اس کے بعد انگورہ میں ایک آزاد حکومت قائم کی، خلافت اور عثمانی سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کیا اور ایک غیر مذہبی جمہوریہ قائم کیا جس کے ۱۹۲۴ء میں وہ پہلے صدر منتخب ہوئے اور اسی حالت میں ۱۹۳۸ء میں انتقال کیا۔

(ملاحظہ ہو ATATURK (IRFAN ORGA), GREY WOLF (ARMSTRONG))

© rasailojaraid.com

جمہوریت و عوامیت کے ادعاء کے باوجود وہ ممالک جو کسی فوجی آمر کے قبضۂ تصرّف میں آجاتے ہیں، وہ بہت حد تک اس کی شخصیت و مزاج کا عکس بن کر رہ جاتے ہیں اور ان کی جدید تشکیل کو سمجھنے کے لئے ان آمرین (DICTATORS) اور ان کے عناصر ترکیبی کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس موقع پر ہم کمال اتاترک کے مستند و ہمدرد ترک سوانح نگار عرفان اورگا (IRFAN ORGA) کی کتاب "اتاترک" (ATATURK)[۱] کے ان اقتباسات کے پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جو کمال کے کیرکٹر اور مزاج پر روشنی ڈالتے ہیں۔

"وہ کالج کی زندگی میں کم آمیز اور حلقۂ احباب میں نامقبول تھا، اس کے قریبی دوست بہت کم تھے، وہ جلد اشتعال میں آجاتا تھا، وہ اپنے درجہ کا ایک مثالی دبے نفس طالب علم، شوقین و ذہین تھا، جنس (SEX) اس کے لئے مقناطیس کی کشش رکھتی تھی ـــــ وہ شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا تھا۔ اس لئے کہ روحانی تسکین کے لئے اس کے اندر نہ خدا کا اعتقاد تھا نہ زندگی بعد موت کا یقین"[۲]

"دوسروں پر ظلم کر کے خوشی حاصل کرنے کی جو فطری خصوصیت اس کے اندر تھی اس کا اظہار ہوا، وہ دوسروں کے جذبات کو کبھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتا تھا، اس کے اندر دوسروں کو مفتوح و مغلوب بنانے اور ان کو اپنی مرضی کے سامنے سرنگوں کرنے کی فطری خواہش پائی جاتی تھی، وہ ہمیشہ چوٹی پر رہنا پسند کرتا تھا۔

مناسٹر میں اس کا تعارف والٹیر اور روسو کی تحریرات سے ہوا، جنھوں نے اس کو اپیل کیا اور اس کے خوابیدہ جذبۂ بغاوت کو بیدار کر دیا۔"[۳]

"جوانی میں اس نے اپنے انقلابی افکار کے ساتھ ضیاء گوک الپ کی تعلیمات کو بھی اچھی طرح جذب کیا تھا۔ ضیاء گوک الپ نے روشن خیالی اور مذہبی خیالات کی آزادی کے لئے جنگ کی تھی، وہ مغربی روشن خیالی کا بہت بڑا نقیب تھا، اس نے ۱۹۰۰ء ہی میں اس خیال کا اظہار کر دیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے لئے زوال و انتشار مقدر ہو

---

[۱] IRFAN ORGA MARGRRETE :- "ATATURK" (MICHAEL JOSEPH LTD, LONDON) 1962

[۲] P. 251 [۳] P. 251

© rasailojaraid.com

چکا ہے۔ اس لئے کہ اس نے شخصی حکومت کے اصول کو آنکھ بند کر کے پکڑ رکھا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "دینی حکومت شخصی حکومت کی وفادار حلیف تھی۔ ہے" اس نے مذہبی اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کی پر زور حمایت کی تھی، وہ علماء کے اختیارات کو محدود کر دینے کے حق میں تھا، مختلف مذہبی برادریاں اور مذہب کے پر جوش حامیوں کے حلقے جو (بقول اس کے) شیطان کے آلہ کار بن کر جہاد کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں مقید و پابند ہونے چاہئیں، اس نے شریعت کے خاتمہ اور ان قاضیوں کی دینی عدالتوں کی منسوخی کی پر زور وکالت کی تھی جو اسلامی قانون کے شارح و ترجمان ہیں، اس کے نزدیک ان کی جگہ پر نئی قانونی عدالتوں اور سول کورٹس کو آنا چاہیئے[1]۔

مذہب اور بالخصوص اسلام کے بارے میں اس کے عقیدہ اور نقطۂ نظر اور اس کے اصلی خیالات و احساسات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اس نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اس کی اصل جنگ مذہب کے خلاف ہے۔ بچپن سے اس کے نزدیک خدا کی کوئی ضرورت نہیں تھی، وہ محض ایک پُراسرار اور مغالطہ آمیز مجرد نام تھا جس میں کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ صرف اس چیز پہ یقین رکھتا تھا جو دیکھنے میں آسکتی تھی[2]۔ اس کا خیال تھا کہ زمانۂ ماضی میں اسلام محض ایک تخریبی طاقت رہا ہے، اور اس نے ترکی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ اسلام ہی کی عطا کی ہوئی وحدت نے وسیع عثمانی سلطنت کی تعمیر کی تھی، اس کا خیال تھا کہ اسلام کی بدولت لوگ جمود و اوہام کی دلدل میں دھنسے رہے، اس کو اس آدمی سے سخت نفرت تھی جو تقدیر کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ "خدا کی مرضی تھی" "یہ مقدر کی بات ہے"۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کا کہیں وجود نہیں اور انسان ہی اپنی تقدیر بناتا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ دماغ کی طاقت اور قوتِ ارادی خدا کی "بے حسی" اور "بے رحمی" پر غالب آجاتی ہے، لیکن مذہبی لوگوں کا کہنا ہے کہ "خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں"۔ وہ کہتا تھا: "کیا ان مذہبی

---

[1] P. 246 [2] اس کتاب میں مصنف نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں کبھی کبھی کمال آسمان کی طرف مُکا اٹھا کر اشارہ کرتا تھا۔

© rasailojaraid.com

لوگوں کو ابھی تک برقی طاقت کی اطلاع نہیں جو بہت تیزی سے کام کرتی ہے؟"
اس کا مصمم ارادہ تھا کہ مذہب کو ممنوع قرار دیدے خواہ اس کے لئے طاقت استعمال کرنی پڑے، خواہ دھوکہ اور فریب سے کام لینا پڑے[1]"

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے :-

" اس کے نزدیک نفسیاتی اصول ونظریات اور فلسفیانہ اصطلاحات کے کوئی معنی نہیں تھے، اسی لئے قدرتی طور پر ترکی قوم کے لئے مذہب کو غیر ضروری اور بے کار قرار دینے میں اس کو کوئی تامل نہیں تھا، لیکن مذہب کی جگہ پر اس نے الگ کوئی چیز ترکی قوم کو دی تو وہ "نیا دیوتا" تھا، یعنی مغربی تہذیب، اس میں اچنبھے کی بات نہ تھی کہ قوم نے اپنی روح کے لئے جنگ کی، دوسری تہذیبوں کی گذشتہ تاریخ سے اس نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ پرانے دیوتا ذرا مشکل سے مرتے ہیں۔ (اس لئے خدا کا خیال ترکی قوم کے دل سے دیر ہی میں نکلے گا)[2]"

دوسری جگہ لکھتا ہے :-

" اسلام اور راسخ العقیدہ مذہبیت سے اس کو شدید نفرت تھی، جس خدا کا وہ قائل تھا وہ اس کے نزدیک کسی قید وبند کا محتاج نہ تھا، اس کے نزدیک وہ خدا ہر چیز میں تھا ۔۔۔ وہ کہتا تھا کہ ہم کو ہر پہلو سے مرد بننا ہے۔ ہم نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ ہماری مصیبتوں کا سبب یہ تھا کہ ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ دنیا کس راستہ پر جا رہی ہے۔ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ کوئی کیا کہتا ہے۔ ہم مہذب وشائستہ بن رہے ہیں اور ہم اس پر فخر کرنا چاہیئے ۔۔۔ عالم اسلام کے بسنے والے دوسرے مسلمانوں پر نظر ڈالو، وہ کس تباہی، مصیبت اور حوادث کا شکار ہیں، کیوں ۔؟ اس لئے کہ وہ اپنے دماغ سے کام لے کر اپنے کو اس روشن وبلند پایہ تہذیب میں فٹ نہیں کر سکے۔ یہی سبب ہے کہ ہم بھی اتنے طویل عرصہ تک پسماندگی وتنزل کا شکار رہے اور اب آخری طور پر آخری گڑھے میں گر گئے۔ ان پچھلے برسوں میں اگر ہم اپنے کو بچانے میں کچھ کامیاب ہوئے ہیں تو

---

[1] P. 237 – 238

[2] P. 246

© rasailojaraid.com

وہ اس وجہ سے کہ ہماری ذہنیت تبدیل ہوگئی ، مگر اب ہم کسی جگہ ٹھہر نہیں سکتے ، ہم آگے بڑھنے کے لئے اٹھے ہیں اور ہم برابر آگے بڑھ رہے ہیں ، خواہ کچھ بھی واقع ہو اب ہمارے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ، قوم کو سمجھ لینا چاہئے کہ تہذیب ایک ایسی جلتی ہوئی آگ ہے جو ان سب کو جلا اور خاک سیاہ کر دیتی ہے جو اس کو خراجِ عقیدت نہیں ادا کرتے ہیں[1]"

ایک دوسری جگہ اس کی نفرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

" یہ کوئی راز کی بات نہیں تھی کہ مصطفےٰ کمال ایک غیر مذہبی آدمی تھا ۔ اس بنا پر یہ افواہ گرم تھی کہ خلافت کی تنسیخ جلد عمل میں آنے والی ہے ، اس بات سے اور سنسنی پھیل گئی کہ مصطفےٰ کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر جو اسلام کے بڑے عالم اور قابلِ احترام بزرگ تھے قرآنِ مجید پھینک کر مارا ۔ اس کا نتیجہ مصطفےٰ کمال کی فوری موت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا ، لیکن یہ واقعہ پیش نہیں آیا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ زمانہ بہت بدل گیا ہے[2]"

مغربی تہذیب سے جو اس کو عشق و شیفتگی اور اس کی نظر میں اس کا جو تقدس اور احترام تھا ، اور جس طرح وہ اس کے اعصاب وجذبات پر مستولی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف مذکور لکھتا ہے :-

" بڑی حد تک مصطفےٰ کمال جس چیز کی تلقین کرتا تھا اس پر وہ خود بھی عامل تھا ۔ وہ اس نئے خدا (تہذیبِ جدید) کا پُر جوش پجاری اور اس کا ایک وفادار حواری تھا ۔ اس نے اس لفظ "تہذیب" کو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا ، جب وہ اس تہذیب کے متعلق کوئی گفتگو کرتا تو اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی تھی اور اس کے چہرے پر ایسی کیفیت نمودار ہوتی تھی جو کسی صوفی کے مراقبۂ جنت کے وقت اس کے چہرے پر نظر آتی ہے[3]"

تہذیب سے متعلق اس کا تخیل کیا تھا ، اور وہ ترکی قوم کو کیا دیکھنا چاہتا تھا ؟ اس کا اندازہ حسب ذیل بیانات سے ہوگا ، مصنف لکھتا ہے

" مصطفےٰ کمال اپنی قوم سے کہتا تھا ، ہم کو ایک مہذب و شائستہ قوم کا لباس پہننا چاہئے ہم کو دنیا کو دکھانا چاہئے کہ ہم ایک بڑی قوم ہیں ہم کو دوسری قوم کے ناواقف

---

[3] P. 273 [2] P. 239 [1] P. 297

©rasailojaraid.com

لوگوں کو اپنے پرانے فیشن کے لباس پہننے کا موقع نہ دینا چاہئے، ہم کو زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔"[1]

"اس کے ذہن میں ایک اصلاح شدہ نئے سانچے میں ڈھلے ہوئے ترکی کا تخیل تھا، لیکن اس کے حصہ میں جو انسانی کچا مال (قوم) آئی تھی وہ ایک بیزار، اُداس اور ایک اَن گڑھ انسانی مجموعہ تھا، جیسے جنگ کے دوران میں فوج میں بھرتی ہونے والے رنگروٹ ہوتے ہیں، اس نے ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے تنہا کام کرنا شروع کیا جو طاقت کا سرچشمہ تھا، جس کو اپنے سوا کسی کے فیصلہ پر اعتماد نہیں تھا، جس کو دوسروں کے کاموں میں مداخلت کرنے کا خبط تھا۔ اور جس کے اندر افراط کے ساتھ ذہنی طاقت بھری ہوئی تھی۔"[2]

ترکی قوم کو جلد سے جلد مغربی اقوام کے رنگ میں رنگ دینے اور مکمل طور پر ان کا ایسا ہم رنگ بنا دینے کے لئے جس کے بعد کوئی امتیاز نہ رہے۔

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس نے ترکی ٹوپی اور سر کے ہر لباس کو خلاف قانون قرار دیا اور ہیٹ کا استعمال لازمی کر دیا، اور اس بارے میں اتنی شدت برتی کہ گویا اس سے بڑھ کر کوئی اصلاح اور ترکی قوم کی زندگی اور عزت کے لئے کوئی شرط نہ تھی، یہ ہیٹ کی وہ خوں ریز جنگ تھی جس نے جنگ صلیبی کی شکل اختیار کر لی، ترک سوانح نگار اس معرکہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"فسادات اور بلوے اس قدر سخت تھے اور صورت حال اتنی خطرناک ہوگئی کہ ایک کروزر کو بحر اسود کے ساحل پر ہر وقت چوکنا رہنے کی ہدایت ہوئی، ملک میں جا بجا عدالتیں قائم ہوئیں اور انہوں نے اپنا کام شروع کیا، ان باتوں نے بلوائیوں کو اور زیادہ مشتعل کر دیا، مذہبی حلقہ کے افراد جنہوں نے لوگوں میں جوش پیدا کیا تھا یا تو پھانسی پر چڑھا دئے گئے یا روپوش ہونے پر مجبور ہوئے، کہیں رحم و رعایت سے کام نہیں لیا گیا، مصطفےٰ کمال نے منصوبے کی تکمیل کا فیصلہ کر لیا، اس کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے کیا ذرائع اور طریقے استعمال کر رہا ہے۔

---

[1] P. 260

[2] P. 244

© rasailojaraid.com

لوگ گرفتار کئے جاتے تھے اور محض اس الزام میں کہ انہوں نے مذاق کیا ہے پھانسی پر چڑھا دئے جاتے تھے، بے خطا اور مجرم دونوں یکساں اس کا نشانہ بنے، اس نے نہ تو ان تحقیقاتی عدالتوں کو ان کی عاجلانہ کارروائی پر سرزنش کی اور نہ قوم کی مرضی کو شکست دینے میں تامل سے کام لیا، اس زمانہ میں وہ متکبرانہ طریقہ پر اکثر کہا کرتا تھا "میں ہی ترکی ہوں، مجھے شکست دینا ترکی کو شکست دینا ہے۔" اس خود پرستانہ جنون نے ان لوگوں کو بھی مشتعل کر دیا جو اس کو ترکی کا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔

ہیٹ کی جنگ بالآخر جیت لی گئی، علماء لینن کامیاب ہوگئیں اور عوام نے اپنی شکست تسلیم کر لی، مصطفےٰ کمال نے اپنی اس فتح کو دنیا پر نمایاں کرنے کے لئے مکہ معظمہ کے مؤتمر اسلامی (۱۹۲۶ء) میں شرکت کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے ایک ممبر ادیب ثروت کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، ادیب ثروت واحد مسلمان نمائندہ تھا جو ہیٹ پہنے ہوئے اس مؤتمر میں شریک ہوا، اور دوسرے مسلمان نمائندوں نے انقباض کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔" (P. 265)

بہرحال اتاترک کی زندگی پر اجمالی روشنی ڈالتے ہوئے اس کی مزاجی خصوصیات اور اس کا کردار و کارنامہ بیان کرتے ہوئے مصنف مذکور لکھتا ہے۔

"اس کو اپنی زندگی میں رنج و مایوسی سے بھی سابقہ پڑا، اس کو بہت کم مسرت کے مواقع نصیب ہوئے، وہ غریبوں سے محبت کرتا تھا، اور دولتمندوں سے نفرت، وہ مفکرین اور علماء سے خائف رہتا تھا۔ اس لئے کہ اُن کی طاقت اس سے زائد تھی، وہ شراب، عورتوں اور موسیقی کا شائق تھا، وہ ان سب لوگوں سے نفرت کرتا تھا جو اس سے اختلاف رکھتے تھے، اگرچہ وہ کبھی کبھی ان کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کر لیتا تھا۔ اس کے عزم کی قوت، اسکی ضد اور کٹرپن اور اسکے ذہن کی صفائی نے اسکو بلند ترین مقام تک پہنچایا، اس کا مزاج اور عہد دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر بڑھے اور ترقی کی، اسکی عظمت کا راز یہ تھا کہ اس کے مقاصد محدود و متعین تھے، ایک عصری ریاست کو اپنے واضح اور متعین حدود کے اندر قائم کرنا۔ اسی کے ساتھ اس کی یہ خصوصیت کہ وہ شکست اور تباہی کے منہ میں پہنچنے کے بعد بھی اپنے خیال پر جما رہتا تھا اور اس سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔" (P. 256-257)